بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایک نادر علمی "تحفہ"

مولانا مختار احمد صاحب ندوی - خطیب جامع مسجد اہل حدیث - بمبئی

علمی حلقوں میں اس وقت آٹھویں صدی ہجری کے نامور محدث شیخ حافظ ابوالحجاج المزی رحمۃ اللہ علیہ کی نادرۂ روزگار کتاب "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف" کا چرچا ہو رہا ہے، یہ کتاب ابھی دو ماہ قبل مطبعۃ الدار القیمۃ بھنڈی بمبئی سے چھپ کر مرجعِ خاص و عام ہوئی ہے۔

علمِ حدیث پر مطالعہ کے لئے تنہا یہ کتاب ایک پورے کتب خانہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب کی طباعت سے علمِ حدیث کے ذخیرے میں بڑا قیمتی اور قابلِ قدر اضافہ ہوا ہے، ہم اس کتاب کے مصنف، محشی، مصحح، طابع اور ناشر کے لئے اپنی پُرخلوص دعاؤں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس عظیم ترین مقدس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے۔ آمین۔

کتاب کا تعارف "تحفۃ الاشراف" کو حافظ امام مزی نے دس ضخیم جلدوں میں مرتب کیا ہے جس کا ابھی یہ پہلا حصہ شائع ہوا ہے، اس کتاب کی ترتیب پر مصنف نے اپنی زندگی کے چھبیس قیمتی سال صرف کئے ہیں، انھوں نے اس کتاب کو ۶۹۶ھ یومِ عاشورہ کو شروع کیا تھا اور ۳ ربیع الاول ۷۲۲ھ کو ختم کیا، پوری کتاب میں انیس ہزار پانچ سو پچانوے (19595) اطرافِ حدیث کو جمع کیا گیا ہے، جلد اوّل میں سترہ سو بتیس (1732) اطراف مذکور ہیں، صحاحِ ستہ کی تمام حدیثوں کو کتب، ابواب اور ان کی جملہ سندوں کو ان کے اہم رواۃ کے تراجم کے تحت حروفِ تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، ساتھ ہی ہر صحابی اور ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کی مرویات کی صحیح تعداد کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

اس کتاب کے ذریعہ ہمیں یہ بات قطعی طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ فلاں حدیث صحاح ستہ میں موجود ہے یا نہیں اور اگر موجود ہے تو کہاں اور کس کتاب کے کس باب میں؟ نیز اس کتاب میں صحاح ستہ کے حوالوں کے ساتھ ان کے مختلف نسخوں اور راویوں کے اختلاف کو بھی خاص طور پر بیان کردیا گیا ہے، اس طرح یہ کتاب حدیث کا ایک "انسائیکلوپیڈیا" بن گئی ہے، جس کا مطالعہ علم حدیث سے تعلق رکھنے والے ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔

کتاب کا موضوع یہ کتاب اطراف حدیث کا مجموعہ ہے، اطراف کا علم فن حدیث کا اہم جزو ہے، علم حدیث کا مطالعہ مکمل ہی نہیں ہوسکتا جب تک اطراف حدیث پر عبور نہ ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے،

محدث بلا اطراف ؛ کانسان بلا اطراف

یعنی اطراف حدیث کے بغیر محدث کا علم ایسا ہی ناقص ہے جیسے انسان کا وجود بلا اعضاء کے، اس کتاب میں صحاح ستہ کے جملہ اطراف کو جمع کردیا گیا ہے اور اس کتاب کی تصنیف کی سب سے بڑی غرض یہی ہے کہ طلبائے حدیث صحاح ستہ کی جملہ احادیث کی مختلف سندوں اور اس کے مختلف طرق کو اس کتاب میں مرتب پاجائیں تاکہ انھیں حدیث کے جملہ طرق واسانید کی بابت بآسانی جملہ تفصیلات معلوم ہوسکیں، مصنف سب سے پہلے کسی حدیث کے ٹکڑے (اطراف) کو بیان کرتے ہیں اس کے بعد کتاب کا ذکر کرتے ہیں پھر اس کی جملہ اسانید کو بیان کرتے ہیں۔

(۱) اس کتاب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حدیث کے وہ تمام طرق مجتمع طور پر معلوم ہوجاتے ہیں۔ جو کتب صحاح ستہ میں متفرق طور پر موجود ہیں۔

(۲) اس کتاب کے ذریعہ ہر حدیث کی سند کے رجال کا علم قطعی طور پر ہوجاتا ہے اور ان کے ناموں کا ابہام پوری طرح دور ہوجاتا ہے، مثلاً اگر کسی سند میں حدثنا سفیان ہے تو اس کتاب کے ذریعہ یہ معلوم ہوجائیگا کہ سفیان سے یہاں مراد سفیان ثوری ہیں یا سفیان بن عیینہ اور حماد سے مراد حماد بن زید ہیں یا حماد بن سلمہ۔

(۳) اس کتاب کے ذریعہ کسی بھی حدیث کے متعلق بآسانی یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث صحاح کی ہے یا نہیں؟ اور وہ اس طرح کہ مثلاً ایک حدیث کو آپ نے مسند احمد یا طبرانی وغیرہ میں دیکھا ہے اور اب آپ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ میں بھی ہے یا نہیں؟ تو آپ کو چاہئے کہ آپ اس حدیث کے راوی صحابی یا ان سے روایت کرنے والے تابعی یا تبع تابعی کے ترجمے کو اطراف میں دیکھیں، اگر ان کے سلسلۂ روایات میں

آپ اس حدیث کو نہ پائیں تو سمجھ لیں کہ یہ حدیث صحاح کی نہیں ہے۔

(۴) اس کتاب کے ذریعہ آپ حدیث کے مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخوں کے اختلافات پر بھی مطلع ہو سکتے ہیں اور ہر حدیث کی بابت اس کی جملہ تفصیلات معلوم کر سکتے ہیں، غرض یہ کتاب حدیث کی تحقیق کے جملہ گوشوں پر محیط ہے۔

مصنف کے حالات | اس کتاب کے مصنف کا پورا نام حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمن بن یوسف المزّی الشافعی ہے۔ وہ ۱۰ ربیع الآخر ۶۵۴ھ مطابق ۸ رمئی ۱۲۵۶ء کو شہر حلب میں پیدا ہوئے، مشہور صحابی حضرت دحیۃ الکلبی کے وطن دمشق کے قریب المزّۃ نامی گاؤں میں ان کی تربیت ہوئی، یہیں انھوں نے تعلیم حاصل کی اور اس وقت کے مشہور ائمۂ فن سے جملہ علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔

المزّہ سے نکل کر شام، حرمین، مصر، اسکندریہ وغیرہ مشہور علمی مقامات میں اس وقت کے جید علماء سے استفادہ کیا، انھوں نے تقریباً ایک ہزار اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا جن میں مشہور محدث اور صحیح مسلمؒ کے شارح امام نوویؒ بھی شامل ہیں، فنِ حدیث پر انھیں پورا عبور حاصل تھا حتیٰ کہ ان کے علمی کمال کا اعتراف خود انکے اساتذہ بھی کھلے لفظوں میں کرتے تھے، ان کے تلامذہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیخ برزالی، امام ذہبی، ابن سید الناس تقی الدین سبکی اور حافظ ابن کثیر جیسے مشہورِ زمانہ لوگ ہیں۔

امام مزّی اور امام ابن تیمیہ کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ اگرچہ امام مزّی عمر میں امام تیمیہ سے بڑے تھے لیکن ان کے نظریات، اجتہادات اور عقائد میں وہ ان سے بالکل متفق تھے، ابن تیمیہ کا انھوں نے ہر موقع پر ساتھ دیا، امام ابن تیمیہ کے ساتھ گہرے تعلقات کی بنا پر انھیں جیل تک کی صعوبات بھی برداشت کرنی پڑیں لیکن انھوں نے مرتے دم تک بھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑا حتیٰ کہ دمشق کے جس قلعہ میں ابن تیمیہ کی وفات ہوئی ہے وہاں وفات کے وقت امام مزّی بھی ان کے سرہانے موجود تھے، ابن تیمیہ کی وفات کے چودہ برس بعد جب امام مزّی کی وفات ہوئی تو انھیں امام ابن تیمیہ کی قبر کے مغربی جانب دفن کیا گیا اس طرح مر کر بھی دونوں میں جدائی نہیں ہوئی اور انشاء اللہ حشر میں بھی دونوں ساتھ ہی اٹھیں گے۔

امام مزّی کے تلامذہ میں مشہور مفسر، مؤرخ اور محدث علامہ حافظ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر صاحب التاریخ والتفسیر کا مقام بھی بڑا ممتاز ہے، وہ امام مزّی کے داماد بھی تھے۔ انھوں نے "تحفۃ الاشراف" کا ایک نسخہ بھی نقل کیا تھا، جس میں

انھوں نے اکثر مقامات پر مفید حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے جس کی حافظ ابن حجرؒ نے بڑی تعریف کی ہے۔

امام مزّی قوتِ حفظ اور جودتِ طبع میں اپنے زمانے کے بے نظیر اور بے مثل شخص تھے، ان کی کتاب "تہذیب الکمال" ان کے حیرت انگیز حافظے کی بہترین یادگار ہے۔ ان کے شاگردِ رشید حافظ ذہبی نے ان کی بابت لکھا ہے "نہ میں نے ان کے جیسا کسی کو دیکھا نہ خود انھوں نے اپنے جیسا کسی کو دیکھا" وہ اپنے وقت میں حدیث کے سب سے بڑے امام اور بے نظیر عالم تھے۔

علم کے اس عظیم ترین درجہ پر فائز ہونے کے باوجود حد درجہ متواضع، خلیق، منکسر المزاج اور صابر و شاکر تھے، انھیں اپنے مخالفین وحاسدین کے ہاتھوں اکثر اوقات زک اٹھانی پڑی لیکن انھوں نے قدرت کے باوجود کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔

انھوں نے یوم سنیچر ۱۲ر صفر ۷۴۲ھ مطابق ۱۳۴۱ء کو ظہر کی نماز میں بحالتِ سجدہ ۸۹ نواسی سال کی عمر میں وفات پائی، جنازے کی نماز تقی الدین سبکی نے پڑھائی۔

النکت الظراف علی الاطراف اس کتاب کی اہمیت وندرت کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حواشی نے اور چار چاند لگادئیے ہیں، یہ حواشی کتاب کے نیچے "النکت الظراف علی الاطراف" کے نام سے چھپے ہوئے ہیں اور جیسا کہ حافظ ابن حجر کا معمول ہے انھوں نے اشاروں ہی میں بڑے قیمتی اور نادر معلومات کا اضافہ کردیا ہے۔ اور مصنف کو جہاں کہیں وہم ہوگیا ہے وہاں انھوں نے بڑے دل نشیں انداز میں اس کی تصحیح کردی ہے ——

"النکت الظراف" کا یہ نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ کے نسخے سے نقل کیا گیا ہے اور "تحفۃ الاشراف" کا یہ نسخہ مصنف کے داماد حافظ ابن کثیر کے نسخے کی نقل ہے جو جدہ کے مشہور رئیس اور علم نواز بزرگ شیخ محمد نصیف کے کتب خانے سے لیا گیا ہے۔

مصحح، طابع وناشر یہ کتاب جتنی نادر وقیمتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی تصحیح وطباعت کے لئے بھی ویسا ہی لائق وفاضل اور علم حدیث وآثارِ سلف کی شائق شخصیت کو کھڑا کیا، مولانا عبد الصمد شرف الدین الکتبی جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی تصحیح وطباعت کی سعادت لکھ دی تھی یقیناً وہ اس کے اہل اور بجا طور پر مستحق تھے، وہ اپنے والد مولانا شرف الدین الکتبی کے حقیقی جانشین ہیں، خدا نے انھیں بڑی جامعیت عطا فرمائی ہے ——

وہ علم وعمل میں ممتاز، صورت وسیرت کے اعتبار سے محبوب عام وخاص اور دین ودنیا کے جامع اور جدید وقدیم کا بہترین سنگم ہیں۔

آج یونیورسٹیوں اور دوسرے علمی اداروں میں علم حدیث پر تحقیقی کام ہو رہا ہے لیکن کام کرنے والوں کی طبیعت مزاج اور ان کی شکل وصورت پر حدیث کا کوئی اثر بالعموم ظاہر نہیں رہتا، یہ ادارے سائنس، معاشیات و اقتصادیات کی طرح علم حدیث پر بھی تحقیقی کام کراتے ہیں لیکن مولانا عبدالصمد صاحب اُن لوگوں میں سے ہیں جنھیں دیکھ کر ائمہ محدثین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، جن کا علم ان کے عمل سے ظاہر اور صورت ان کی سیرت کا عکس اور اخلاص ان کے فن پر حاوی نظر آتا ہے، بمبئی سے ۴۳ میل دور بھیمڑی شہر کے بالکل کنارے ایک سنسان مقام پر انھوں نے اپنا عظیم الشان ادارہ "الدار القیمہ" قائم کر رکھا ہے جس میں علمی اور دینی ضرورت کی ساری چیزیں، مسجد، کتب خانہ، مہمان خانہ اور پریس سبھی کچھ موجود ہے، وہاں اہل علم کی ایک جماعت شب وروز علمی تحقیقات میں مصروف رہتی ہے۔

مولانا عبدالصمد صاحب جب علم حدیث کی تحقیق کے سلسلے میں مکہ میں مقیم تھے تو انھوں نے اپنے استاذ شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ جو علامہ سید رشید رضا مصری کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، کے پاس "تحفۃ الاشراف" کا ایک قلمی نسخہ دیکھا، اس وقت اس کتاب کی طباعت مصر میں شروع ہو چکی تھی، مکتبۂ امام واقع عابدین مصر میں یہ کتاب ۲۴۴ احادیث تک چھپ بھی چکی تھی لیکن جب مولانا نے اس کتاب کی طباعت کو دیکھا تو اس میں بڑی خامیاں نظر آئیں، کیونکہ یہ نادر کتاب بلا کسی تصحیح واہتمام کے چھپ رہی تھی، مولانا نے اس کی تصحیح، حواشی اور مختلف اضافے کے ساتھ اس کی طباعت کا ایک جامع نقشہ بنا کے پیش کیا جسے بہت سراہا گیا بلکہ کتاب کی طباعت بھی روک دی گئی اور شیخ محمد نصیف کی خواہش پر یہ کتاب نشر وطباعت کے لئے مولانا کے سپرد کی گئی، جس کی پہلی جلد نہایت آب وتاب کے ساتھ آج اہل علم کے سامنے حاضر ہے۔

مقدمۂ کتاب مولانا نے کتاب کے شروع میں نہایت شاندار مقدمہ لکھا ہے جو علم حدیث، اس کے موضوع اور اس کی غرض وغایت پر شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے، مولانا نے لکھا ہے " بلا اختلاف' دین کی بنیاد علم نافع اور عمل صالح پر ہے اور ان دونوں کا مدار کتاب اللہ وسنت رسول اللہؐ ہے۔ کتاب اللہ کی حفاظت کی ذمہ داری تو اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے لیکن سنت رسولؐ کی حفاظت کے لئے بھی وہ برابر ایسے حفاظ ومحدثین پیدا کرتا رہتا ہے، جو حدیث کو

وضع وتحریف اور تاویلاتِ فاسدہ سے برابر صاف کرکے علمِ حدیث کو ہمیشہ اپنی اصل حالت میں تروتازہ رکھتے ہیں۔

مامون کے عہدِ حکومت میں مسلمان ایک بڑے علمی اور فکری انقلاب سے دوچار ہوئے تھے، اس وقت تقریباً پوری قوم کتاب وسنت کے علوم سے بے بہرہ ہوکر علمِ کلام وفلسفہ وہیئت ونجوم وغیرہ جیسے علوم کے پیچھے پڑگئی تھی۔ جس کی وجہ سے پوری قوم کا فکری، ذہنی مزاج بدلنے لگا تھا، وہ علمِ حدیث کا مذاق اڑانے لگے اور نزعیات ولاطائل مباحث میں پھنس کر کتاب وسنت کی شاہراہ سے ہٹتے جارہے تھے۔

لیکن ہمارا موجودہ دور عہدِ مامون سے بھی زیادہ بدتر اور نازک ہے، آج علومِ مادیات، معاشیات، طبعیات معدنیات، کیمیا، ہندسہ، تجارت وصناعات نے سارے علومِ الٰہیہ کو ڈھانپ لیا ہے۔ ان مادی علوم نے بڑے بڑے عجیب کارخانے اور عظیم الشان فیکٹریوں کی ایک نئی دنیا آباد کردی ہے، نیز معاشی اور سیاسی تحریکات نے دنیا کے علم وفن کو نئے قالب میں ڈھال دیا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ علومِ الٰہیہ، کتاب وسنت ان مادی علوم کے نیچے دب کر رہ گئے ہیں، پوری دنیا کا علمی مذاق بدل گیا ہے۔ جو قوم آج صنعتی اور سائنسی دور میں پیچھے ہے اس کا وجود خطرے میں پڑ چکا ہے۔ اس لئے ایسے دور میں مسلمانوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ علومِ عصریہ کو علومِ دینیہ کے ساتھ حاصل کریں تاکہ دین ودنیا کے حسنات وبرکات سے متمتع ہوسکیں۔

علمِ حدیث کا مقصود علمِ حدیث کا مقصود اللہ کی معرفت اور اس کی رضا کا حصول ہے اس لئے علومِ دینیہ کا تعلق اخلاصِ نیت کے بعد سراسر عمل سے ہے۔ علمِ حدیث نہ کوئی نظری علم ہے نہ خیالی بلکہ یہ سراسر عقائد واعمال سے عبارت ہے، مولانا نے مقدمے میں علم بلا عمل کی مضرت بیان کرتے ہوئے حضرتِ سفیان ثوریؒ کا ایک لرزہ خیز قول نقل فرمایا ہے جو تمام اہلِ علم کی توجہ کے لائق ہے۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں لیس طلب الحدیث من عدۃ الموت لکنہ علۃ یتشاغل بھا الرجل یعنی علمِ حدیث کا حصول بھی اگر محض برائے فن ہے تو وہ آخرۃ کا توشہ نہیں بن سکتا وہ محض ایک شغل ہے جس میں آدمی مشغول ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبیؒ نے سفیان ثوریؒ کے اس قول کو جب نقل کیا تو ان سے بھی رہا نہ گیا اور وہ بے اختیار لکھ پڑے "صدق واللہ" ان طلب الحدیث شیئ غیر الحدیث واللہ سفیان نے بالکل صحیح کہا، حصولِ علمِ حدیث اور چیز ہے اور حدیثِ رسولؐ اور چیز، مطلب یہ کہ علمِ حدیث ادب وبلاغت، فلسفہ وطبعیات

کی طرح کا کوئی عقلی علم نہیں جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو بلکہ یہ تو خالص رشد و ہدایت، زہد و اتقاء اور رضائے الٰہی کے حصول کا ایک مقدس ذریعہ ہے، اگر یہ اس مقصد کے لئے حاصل نہیں کیا جارہا ہے تو یہ دوسرے علوم کی طرح محض ایک علم ہے۔ سفیان ثوری ؒ نے فرمایا ہے: انما یطلب العلم لیتقی اللہ بہ فمن ثم فضل فلولا ذالک لکان کسائر الاشیاء علمِ حدیث کا حصول تو خشیتِ الٰہی پیدا کرنے کے لئے ہے اور اسی لئے یہ علم سارے علوم سے افضل ہے، اگر اس علم سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو علمِ حدیث بھی دوسرے علوم کی طرح ہوجاتا ہے

اصل کتاب پر مولانا کا قابلِ قدر اضافہ | امام مزّیؒ نے یہ کتاب اپنے شاندار علمی دور کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی تھی اور وہ بھی علماء اور محدثین کی سہولت کے لئے اُس لئے اطرافِ حدیث کا حوالہ دیتے وقت انھوں نے صرف صحاح ستہ کی کتابوں کا حوالہ کافی سمجھا تھا۔ مثلاً کسی حدیث کے ٹکڑے کی سند کو بیان کرتے وقت وہ صرف اتنا لکھ دیتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری یا مسلم وغیرہ کی فلاں کتاب کے تحت ہے مثلاً کتاب العلم یا کتاب الصلوٰۃ وغیرہ لیکن حدیث اس کتاب کے کس باب میں ہے، اس تفصیل کی ضرورت انھوں نے محسوس نہیں کی۔

کتاب کی اس زبردست کمی کو مولانا عبدالصمد صاحب نے پورا کیا اور اس مہم کو وقت و مال کی عظیم قربانی دیکر سر کیا، ہر اطرافِ حدیث کے ساتھ انھوں نے قوسین میں اس باب کا نمبر لکھا ہے جس کے تحت یہ حدیث ہے، پھر یہ حدیث اس باب کے کون سے نمبر کی ہے اس نمبر کو بھی لکھ دیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے جابجا مصنف کی فروگذاشتوں کی بھی تصحیح کردی ہے، اس کے علاوہ مولانا نے کتاب میں حسب ذیل مفید اضافے بھی فرمائے ہیں:-

(۱) تمام راویانِ حدیث، کے ناموں کے ساتھ وقف کی علامت لگا کر انھیں دوسرے ناموں سے ممتاز کردیا ہے۔

(۲) رواۃِ حدیث کے نام، القاب، نسب، مقامات وغیرہ کی پوری تحقیق کرکے اس کی لفظی تصحیح بھی کردی ہے۔ اور اس پر اعراب بھی لگادیئے ہیں۔

(۳) رواۃِ حدیث کے علاوہ بھی جو خاص خاص نام آئے ان کے سنِ ولادت اور وفات اور کچھ ضروری حالات کو بھی قوسین یا حاشیہ پر درج کردیئے ہے، اشخاص کے علاوہ اگر کسی خاص کتاب کا ذکر آگیا ہے تو اس کی بھی ضروری تفصیلات لکھ ڈالی ہیں۔

(۴) تمام احادیث پر نمبر لگادیئے ہیں اور دورانِ کتاب جہاں کہیں مصنف نے یہ لکھا ہے کہ "یہ حدیث گذر چکی ہے"

"یا آنے والی ہے" تو وہاں اس کا اصل نمبر بھی لکھ دیا ہے تاکہ ڈھونڈھنے والے کو سہولت ہو۔

(۵) جو روایات مصنف سے چھوٹ گئی تھیں ان میں سے جس کو حافظ ابن حجرؒ نے اپنے حاشیہ "النکت الظراف" میں نقل کیا ہے اس کو بھی اور جن روایات کو مولانا نے دورانِ تحقیق پایا ان کو بھی متن کے ساتھ شامل کر دیا، لیکن علامت کے لئے اسے قوسین میں لکھا ہے۔

مولانا نے کشاف کے نام سے ابواب کی فہرست بھی مرتب کر دی ہے اور اسے وہ اب علیحدہ شائع کر رہے ہیں ساتھ ہی اعلامِ کتب کی فہرست بھی انھوں نے کتاب کے آخر میں شامل کر دی ہے۔

السنن "الکبریٰ" و "الصغریٰ" للنسائی مولانا نے مقدمے میں صحاح ستہ کی مشہور کتاب "النسائی" کے اصل نسخے کی بابت بڑی قیمتی اور نادر معلومات جمع کر دی ہیں جن کا ذکر اہلِ علم کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، امام نسائی نے پہلے سننِ کبریٰ کی تصنیف کی تھی لیکن وہ کافی طویل و ضخیم تھی، اس لئے انھوں نے خود ہی اس کا ایک مختصر مجموعہ السنن "الصغریٰ" کے نام سے مرتب کیا (بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۲۳) اور یہی سننِ صغریٰ آج متداول ہے، صاحبِ تذکرۃ الحفاظ حافظ ذہبیؒ کی روایت کے مطابق السنن "الصغریٰ" کی تلخیص امام نسائی کے تلمیذِ رشید امام ابن السنی (المتوفی ۳۶۴ھ) نے کی اور اس کا نام "المجتبیٰ" رکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۳ ص ۹۴) یہی رائے تاج الدین سبکی کی بھی ہے (طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۹۶) بہر حال سننِ صغریٰ کی تلخیص بذاتِ خود امام نسائی نے کی ہو یا ان کے کسی شاگرد نے، سوال یہ ہے کہ اس وقت نسائی کا اصل نسخہ السنن "الکبریٰ" کہاں ہے؟ اصل نسخے کی تحقیق کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ امام مزیؒ "تحفۃ الاشراف" میں نسائی کی حدیثوں کا حوالہ نسائی کے اصل نسخے السنن الکبریٰ سے دیتے ہیں، چنانچہ علامہ ابوالطیب شمس الحق العظیم آبادی اپنی کتاب "عون المعبود" شرح ابوداؤد مطبوعہ دہلی ص ۱۳۲۲ میں لکھتے ہیں۔" امام عبدالعظیم المنذری اور امام مزیؒ جب کسی حدیث کا حوالہ "اخرجہ النسائی" سے دیتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نسائی کا اصل نسخہ السنن الکبریٰ ہوا کرتا ہے" علامہ عظیم آبادی مرحوم کے قول کی صداقت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ امام مزیؒ نے "تحفہ" میں اکثر جگہ نسائی کی ایسی کتابوں کا حوالہ دیا ہے جو نسائی کے موجودہ نسخوں میں موجود نہیں ہیں مثلاً کتاب التفسیر، فضائل القرآن، العلم، المواعظ، الرقائق، النعوت، السیر، الوفاۃ، المناقب، الاعتکاف، الولیمۃ، اللقطۃ، الفرائض، العتق، احیاء الموات، الطب

الرحم، التعبیر، الحدود، الشروط، الخصائص وغیرہ۔

حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب کے مقدمے میں امام نسائیؒ کی ایک اور کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" کی حدیثوں کا حوالہ السنن الکبریٰ ہی سے دیا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص۶)

السنن الکبریٰ کی تلاش | بد قسمتی سے اس وقت نہ السنن الکبریٰ ہی کا پتہ چل رہا ہے نہ عمل الیوم واللیلۃ کا اس لئے نسائی کے حوالے کی جو حدیثیں موجودہ متداول نسخہ الصغریٰ میں مل سکیں مولانا نے تحفۃ الاشراف میں ان کی تفصیلات لکھ دی ہیں لیکن جن حدیثوں کا حوالہ نہ مل سکا انھیں السنن الکبریٰ کی حدیثیں خیال کر کے ان کے حوالوں کے ساتھ قوسین میں السنن الکبریٰ لکھ دیا ہے، اب تک نسائیؒ کے اس قیمتی نسخہ کا ذکر دنیا کے کسی کتب خانے میں نہیں ملتا لیکن اگر علماء کی جستجو جاری رہی تو انشاء اللہ کبھی نہ کبھی اس نادرۂ روزگار کتاب کا پتہ ضرور چلے گا، یقینی طور پر یہ نسخہ ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ اور امام عبدالعظیم المنذری المتوفی ۶۵۶ھ اور امام مزیؒ المتوفی ۷۴۲ھ اور علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ اور حافظ ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ اور امام سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ کی نظر سے گزرا ہے کیوں کہ ان تمام ائمہ نے اپنی تصنیفات میں اس کا حوالہ دیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کتاب دسویں صدی ہجری تک اہلِ علم کے ہاتھوں میں رہی، اس کے بعد اس کتاب کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔

عرصہ ہوا مولٰنا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری شارح مشکوٰۃ المصابیح نے اس خیال کا اظہار فرمایا تھا کہ السنن الکبریٰ کا نسخہ امام سیوطی کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا برلن (جرمنی) کے شاہی کتب خانے میں موجود ہے اور کتب خانے کے مخطوطات کی فہرست میں درج نہ ہونے کی بناء پر اب تک اس کا پتہ نہیں چل سکا ہے، مولانا مبارکپوری کے اس بیان کے مطابق مولانا عبدالصمد صاحب نے جرمنی کے مشہور مستشرق پروفیسر زیلہائم (R. SELLHAIM) کو اس نسخہ کی تلاش کے لئے لکھا تھا جس کا جواب پروفیسر موصوف نے یہ دیا کہ السنن الکبریٰ کا مطلوبہ نسخہ افسوس کہ نہ برلن کے کتب خانے میں موجود ہے نہ میرے علم کے مطابق ماربرگ (MARBURG) میں ہے نہ توبنگن (TUBINGEN) میں، بہرحال یہ نسخہ کبھی نہ کبھی انشاء اللہ اہلِ علم کے ہاتھ ضرور لگے گا۔

طباعت وقیمت | کتاب بہترین ٹائپ میں اعلیٰ قسم کے کاغذ پر نہایت صاف ستھری چھپی ہے، ہندوستان میں ٹائپ کی طباعت اس سے بہتر نہیں دیکھی گئی، حسن طباعت کے ساتھ ساتھ جلد بھی نہایت دیدہ زیب اور نظر افروز ہے، یہ کتاب دس جلدوں میں مکمل ہوگی ابھی یہ اس کا پہلا حصہ ہے جو ظاہری اور معنوی دونوں حیثیت سے لاجواب ہے، اس کتاب کی تحقیق و تصحیح و تحشیہ پر مولانا نے جتنا قیمتی وقت اور کثیر رقم خرچ کی ہے اس کے لحاظ سے اس کتاب کی قیمت چوالیس (۴۴) روپے مناسب ہے، کتاب فہرست اور مقدمہ کے ساتھ پانچسو صفحات پر مشتمل ہے جو ذیل کے پتے سے خریدی جا سکتی ہے۔ مطبع الدار القیمہ بھیونڈی بمبئی